QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

مُعَوِّذَتَین

الفلق ــــــ (۱۱۳)

النّاس ــــــ (۱۱۴)

QuranUrdu.com

مُعَوِّذَتَیْن

الفَلَق ـــــــ النَّاس

نام اگرچہ قرآنِ مجید کی یہ آخری دوسورتیں بجائے خود الگ الگ ہیں، اور مُصحف میں الگ ناموں ہی سے لکھی ہوئی ہیں، لیکن اِن کے درمیان باہم اتنا گہرا تعلق ہے، اور اِن کے مضامین ایک دوسرے سے اتنی قریبی مناسبت رکھتے ہیں کہ ان کا ایک مشترک نام ''مُعَوِّذَتَیْن'' (پناہ مانگنے والی دوسورتیں) رکھا گیا ہے۔ امام بَیْہقی نے دلائلِ نبوت میں لکھا ہے کہ یہ نازل بھی ایک ساتھ ہی ہوئی ہیں، اِسی وجہ سے دونوں کا مجموعی نام مُعَوِّذَتَین ہے۔ ہم یہاں دونوں پر ایک ہی دیباچہ لکھ رہے ہیں، کیونکہ ان سے متعلقہ مسائل و مَباحِث بالکل یکساں ہیں۔ البتہ آگے ان کی ترجمانی وتفسیر الگ الگ کی جائے گی۔

زمانۂ نزول حضرت حسن بصری، عِکْرِمَہ، عطاء اور جابر بن زید کہتے ہیں کہ یہ سورتیں مکی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ مگر اُن سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مدنی ہیں، اور یہی قول حضرت عبداللہ بن زُبیرؓ اور قَتَادَہ کا بھی ہے۔ اِس دوسرے قول کو جو روایات تقویت پہنچاتی ہیں، ان میں سے ایک مسلم، تِرْمِذِی، نَسائی اور مُسندِ امام احمد بن حَنْبَل میں حضرت عُقْبَہؓ بن عامِر کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز مجھ سے فرمایا: الم تر اٰیاتٍ اُنْزِلت اللیلۃ، لم یُرَ مثلھن، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ ''تمھیں کچھ پتا ہے کہ آج رات مجھ پر کیسی آیات نازل ہوئی ہیں؟ یہ بے مثل آیات ہیں۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔'' یہ حدیث اس بنا پر ان سورتوں کے مدنی ہونے کی دلیل ہے کہ حضرت عُقْبَہ بن عامرؓ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ایمان لائے تھے، جیسا کہ ابوداؤد اور نَسائی نے خود اُن کے اپنے بیان سے نقل کیا ہے۔ دوسری روایات جو اِس قول کی تقویت کی موجب بنی ہیں، وہ ابنِ سَعْد، مُحْیُ السُّنَّہ بَغَوِی، امام نَسَفِی، امام بَیْہقی، حافظ ابنِ حَجَر، حافظ بدر الدین عَیْنی، عبد بن حُمَید وغیرہم کی نقل کردہ یہ روایات ہیں کہ جب مدینے میں یہودنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا اور اس کے اثر سے حضورؐ بیمار ہوگئے تھے، اُس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں۔ ابن سعد نے واقدی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔ اِسی بنا پر سُفیان بن عُیَیْنَہ نے بھی اِن سورتوں کو مدنی کہا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم سورۂ اخلاص کے دیباچے میں بیان کر چکے ہیں، کسی سورت یا آیت کے متعلّق جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فُلاں موقع پر نازل ہوئی تھی، تو اس کا مطلب لازماً یہی نہیں ہوتا کہ وہ پہلی مرتبہ اُسی موقع پر نازل

QuranUrdu.com

ہوئی تھی، بلکہ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک سورت یا آیت پہلے نازل ہوچکی ہوتی تھی، اور پھر کوئی خاص واقعہ یا صورتِ حال پیش آنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسی کی طرف دوبارہ، بلکہ کبھی کبھی بار بار حضوؐر کو توجہ دلائی جاتی تھی۔ ہمارے نزدیک ایسا ہی معاملہ مُعَوِّذَتَیْن کا بھی ہے۔ اِن کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ ابتداءً مکہ میں اُس وقت نازل ہوئی ہوں گی جب وہاں حضوؐر کی مخالفت خوب زور پکڑ چکی تھی۔ بعد میں جب مدینۂ طیبہ میں منافقین، یہود اور مشرکین کی مخالفت کے طوفان اٹھے تو حضوؐر کو پھر اِنھی دونوں سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی گئی، جیسا کہ حضرت عُقبہؓ بن عامر کی مندرجۂ بالا روایت میں ذکر آیا ہے۔ اِس کے بعد جب آپؐ پر جادو کیا گیا اور آپؐ کی علالتِ مزاج نے شدّت اختیار کی تو اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے آکر پھر یہی سورتیں پڑھنے کی آپؐ کو ہدایت کی۔ اس لیے ہمارے نزدیک اُن مفسرین کا بیان ہی زیادہ معتبر ہے جو ان دونوں سورتوں کو مکی قرار دیتے ہیں۔ جادو کے معاملے کے ساتھ اِن کو مخصوص سمجھنے میں تو یہ امر بھی مانع ہے کہ اُس کے ساتھ صرف سورۂ فَلَق کی صرف ایک آیت وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ہی تعلق رکھتی ہے، سورۂ فلق کی باقی آیات اور پوری سورۂ الناس کا اس معاملے سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

موضوع اور مضمون

مکۂ معظّمہ میں یہ دونوں سورتیں جن حالات میں نازل ہوئی تھیں، وہ یہ تھے کہ اسلام کی دعوت شروع ہوتے ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا بھِڑوں کے چھتّے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ جوں جوں آپؐ کی دعوت پھیلتی گئی، کفّارِ قریش کی مخالفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ جب تک اُنھیں یہ امید رہی کہ شاید وہ کسی طرح کی سودے بازی کر کے، یا بہلا پُھسلا کر آپؐ کو اس کام سے باز رکھ سکیں گے، اُس وقت تک تو پھر بھی عناد کی شدّت میں کچھ کمی رہی۔ لیکن جب حضوؐر نے اُن کو اِس طرف سے بالکل مایوس کر دیا کہ آپ ان کے ساتھ دین کے معاملے میں کوئی مُصالحَت کرنے پر آمادہ ہوسکیں گے، اور سورۂ کافرون میں صاف صاف اُن سے کہہ دیا گیا کہ جن کی بندگی تم کرتے ہو اُن کی بندگی کرنے والا میں نہیں ہوں، اور جس کی بندگی مَیں کرتا ہوں اُس کی بندگی کرنے والے تم نہیں ہو، اس لیے میرا راستہ الگ ہے اور تمھارا راستہ الگ، تو کفار کی دشمنی اپنے پورے عُروج پر پہنچ گئی۔ خُصوصیّت کے ساتھ جن خاندانوں کے افراد (مَردوں یا عورتوں، لڑکوں یا لڑکیوں) نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کے دلوں میں تو حضوؐر کے خلاف ہر وقت بھٹّیاں سُلگتی رہتی تھیں۔ گھر گھر آپؐ کو کوسا جا رہا تھا۔ خفیہ مشورے کیے جا رہے تھے کہ کسی وقت رات کو چھُپ کر آپؐ کو قتل کر دیا جائے تاکہ بنی ہاشم کو قاتل کا پتا نہ چل سکے اور وہ بدلہ نہ لے سکیں۔ آپؐ کے خلاف جادو ٹونے کیے جا رہے تھے، تاکہ آپؐ یا تو وفات پا جائیں یا سخت بیمار پڑ جائیں، یا دیوانے ہو جائیں۔ شیاطینِ جنّ و اِنس ہر طرف پھیل گئے تھے، تاکہ عوام کے دلوں میں آپؐ کے خلاف اور آپؐ کے لائے ہوئے دین اور قرآن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیں، جس سے لوگ بدگمان ہوکر آپؐ سے دُور بھاگنے

QuranUrdu.com

لگیں۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھی جل رہی تھی، کیونکہ وہ اپنے سوا، یا اپنے قبیلے کے کسی آدمی کے سوا، دوسرے کسی شخص کا چراغ جلتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ مثال کے طور پر، ابوجہل جس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُخالفت میں حد سے بڑھتا چلا جاتا تھا، اس کی وجہ وہ خود یہ بیان کرتا ہے کہ ”ہمارا اور بنی عبدِ مناف (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان) کا باہم مقابلہ تھا۔ اُنھوں نے کھانے کِھلائے تو ہم نے بھی کھلائے۔ اُنھوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی دیں۔ اُنھوں نے عَطِیّے دیے تو ہم نے بھی دیے۔ یہاں تک کہ وہ اور ہم جب عزّت وشَرَف میں برابر کی ٹکّر ہوگئے تو اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ بھلا اِس میدان میں ہم کیسے اُن کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ خدا کی قسم! ہم ہرگز اس کو نہ مانیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔“ (ابنِ ہِشام، جلد اوّل، ص ۳۳۷-۳۳۸)

اِن حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ اِن لوگوں سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں طُلوعِ صبح کے رب کی، تمام مخلوقات کے شر سے، رات کے اندھیرے اور جادوگروں اور جادوگرنیوں کے شر سے، اور حاسدوں کے شر سے۔ اور ان سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبُود کی، ہر اُس وسوسہ انداز کے شر سے جو بار بار پلٹ پلٹ کر آتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ شیاطینِ جنّ میں سے ہو، یا شیاطینِ اِنس میں سے۔ یہ اُسی طرح کی بات ہے جیسی حضرت موسیٰؑ نے اُس وقت فرمائی تھی جب فرعون نے بھرے دربار میں اُن کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ، ”میں نے اپنے اور تمھارے رب کی پناہ لے لی ہے، ہر اُس متکبّر کے مقابلے میں جو روزِ حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔“ (المومن: ۲۷) وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ، ”اور میں نے اپنے اور تمھارے رب کی پناہ لے لی ہے، اِس بات سے کہ تم مجھ پر حملہ آور ہو۔“ (الدُّخان: ۲۰)

دونوں مواقع پر اللہ کے اِن جلیل القدر پیغمبروں کا مقابلہ بڑی بے سروسامانی کی حالت میں، بڑے سروسامان اور وسائل وذرائع اور قوت وشوکت رکھنے والوں سے تھا۔ دونوں مواقع پر وہ طاقت ور دشمنوں کے آگے اپنی دعوتِ حق پر ڈٹ گئے درآنحالیکہ اُن کے پاس کوئی مادّی طاقت ایسی نہ تھی جس کے بَل پر وہ اُن کا مقابلہ کر سکتے۔ اور دونوں مواقع پر انھوں نے دشمنوں کی دھمکیوں اور خطرناک تدبیروں اور مُعاندانہ چالوں کو یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا کہ تمھارے مقابلے میں ہم نے ربِّ کائنات کی پناہ لے لی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اُولُوا العزمی اور ثابت قدمی وہی شخص دکھا سکتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اُس رب کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، اُس کے مقابلے میں دنیا کی ساری طاقتیں ہیچ ہیں، اور اس کی پناہ جسے حاصل ہو اُس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کلمۂ حق کے اعلان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا، تم جو چاہو کرلو، مجھے اِس کی کوئی پروا نہیں، کیونکہ میں تمھارے اور اپنے اور ساری کائنات کے رب کی پناہ

QuranUrdu.com

لے چکا ہوں۔

مُعَوِّذتین کی قُرآنیت

اِن دونوں سورتوں کے موضوع اور مضمون کو سمجھنے کے لیے تو اتنی بحث ہی کافی ہے جو اوپر کی جا چکی ہے۔ لیکن چونکہ حدیث و تفسیر کی کتابوں میں اِن کے متعلق تین ایسے مَباحِث آ گئے ہیں جو دلوں میں شبہات پیدا کر سکتے ہیں، اس لیے ہم اُن کو بھی صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

ان میں سے اوّلین قابلِ توجُّہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اِن دونوں سورتوں کا قرآنی سورتیں ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، یا اس میں کسی شک کی گنجایش ہے؟ یہ سوال اِس لیے پیدا ہوا کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے عظیم المرتبہ صحابی سے متعدِّد روایتوں میں یہ بات منقول ہوئی ہے کہ وہ اِن دونوں سورتوں کو قرآن کی سورتیں نہیں مانتے تھے اور اپنے مُصْحَف سے اُنھوں نے ان کو ساقط کر دیا تھا۔ امام احمد، بَزّار، طَبَرانی، ابنِ مَرْدُوْیَہ، ابویَعلیٰ، عبداللہ بن احمد بن حَنْبل، حُمَیدی، ابونُعَیم، ابنِ حِبّان وغیرہ محدثین نے مختلف سندوں سے، اور اکثر و بیشتر صحیح سندوں سے یہ بات حضرت ابنِ مسعودؓ سے نقل کی ہے۔ اِن روایات میں نہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ اِن سورتوں کو مُصْحَف سے ساقط کر دیتے تھے، بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے: ’’قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جُز نہیں ہیں۔ یہ دونوں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ یہ تو ایک حکم تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا کہ آپؐ اِن الفاظ میں خدا کی پناہ مانگیں۔‘‘ بعض روایات میں اِس پر یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ اِن سورتوں کو نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔

اِن روایات کی بنا پر مخالفینِ اسلام کو قرآن کے بارے میں یہ شبہات اُبھارنے کا موقع مل گیا کہ معاذ اللہ! یہ کتاب تحریف سے محفوظ نہیں ہے بلکہ اِس میں جب یہ دو سورتیں ابنِ مسعودؓ جیسے صحابی کے بیان کے مطابق اِلحاقی ہیں تو نہ معلوم اور کیا کیا حذف و اضافے اِس کے اندر ہوئے ہوں گے۔ اِس طعن سے پیچھا چھڑانے کے لیے قاضی ابوبکر الباقِلّانی اور قاضی عِیاض وغیرہ نے یہ تاویل کی کہ ابنِ مسعودؓ مُعَوِّذَتَیْن کی قرآنیت کے منکر نہ تھے بلکہ صرف ان کو مُصْحَف میں درج کرنے سے انکار کرتے تھے، کیونکہ اُن کے نزدیک مُصْحَف میں صرف وہی چیز درج کی جانی چاہیے تھی جس کے ثَبْت کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو، اور ابنِ مسعودؓ تک یہ اطلاع نہیں پہنچی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ تاویل دُرست نہیں ہے، کیونکہ صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے اِن کے قرآنی سورتیں ہونے کا انکار کیا ہے۔ کچھ دوسرے بزرگوں، مثلاً امام نَوَوِی، امام ابنِ حَزْم اور امام فخر الدین رازی نے سرے سے اِس بات ہی کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے کہ ابنِ مسعودؓ نے ایسی کوئی بات کہی ہے۔ مگر مستند تاریخی حقائق کو بلا سند رد کر دینا کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ابنِ مسعودؓ کی اِن روایات سے قرآن پر جو طعن وارد ہوتا ہے، اس کا صحیح ردّ کیا ہے؟ اِس سوال کے کئی جواب ہیں جن کو ہم سلسلہ وار درج کرتے ہیں:

QuranUrdu.com

(۱) حافظ بزّار نے اپنی مُسنَد میں ابنِ مسعودؓ کی یہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اپنی اِس رائے میں وہ بالکل منفرد ہیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی اُن کے اِس قول کی تائید نہیں کی ہے۔

(۲) تمام صحابہؓ کے اتفاق سے خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآنِ مجید کے جو نسخے مُرتّب کروائے تھے اور خلافتِ اسلامیّہ کی طرف سے جن کو دنیائے اسلام کے مراکز میں سرکاری طور پر بھیجا تھا، اُن میں یہ دونوں سورتیں درج تھیں۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے آج تک تمام دنیائے اسلام کا جس مُصحَف پر اجماع ہے، اُس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔ تنہا عبداللہؓ بن مسعود کی رائے، اُن کی جلالتِ قدر کے باوجود، اِس عظیم اِجماع کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت صحیح و معتبر احادیث کے مطابق یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے اِن سورتوں کو نماز میں خود پڑھا ہے، دوسروں کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے اور قرآن کی سورتوں کی حیثیت ہی سے لوگوں کو اِن کی تعلیم دی ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کی احادیث مُلاحظہ ہوں:

مسلم، احمد، تِرمِذِی اور نَسائی کے حوالے سے حضرت عُقبہؓ بن عامر کی یہ روایت ہم اُوپر نقل کر چکے ہیں کہ حضورؐ نے سورۂ فَلَق اور سورۂ ناس کے متعلق اُن سے یہ فرمایا کہ آج رات یہ آیات مجھ پر نازل ہوئی ہیں۔ نَسائی کی ایک رِوایت عُقبہؓ بن عامر سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں سورتیں صبح کی نماز میں پڑھیں۔ ابنِ حِبّان نے اِنھی حضرت عُقبہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ”اگر ممکن ہو تو تمھاری نمازوں سے اِن دونوں سورتوں کی قراءت چھوٹنے نہ پائے۔“ سعید بن منصور نے حضرت مُعاذؓ بن جَبَل سے روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے صبح کی نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ امام احمد اپنی مُسنَد میں صحیح سند کے ساتھ ایک اور صحابی کی یہ روایت لائے ہیں کہ حضورؐ نے اُن سے فرمایا: جب تم نماز پڑھو تو اس میں یہ دونوں سورتیں پڑھا کرو۔ مُسندِ احمد، ابوداؤد اور نَسائی میں عُقبہؓ بن عامر کی یہ روایت آئی ہے کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا: ”کیا میں دو ایسی سورتیں تمھیں نہ سکھاؤں جو اُن بہترین سورتوں میں سے ہیں جنھیں لوگ پڑھتے ہیں؟“ انھوں نے عرض کیا: ضرور یارسولؐ اللہ۔ اس پر حضورؐ نے ان کو یہی مُعَوِّذَتَیْن پڑھائیں۔ پھر نماز کھڑی ہوئی تو حضورؐ نے یہی دو سورتیں اس میں بھی پڑھیں، اور نماز کے بعد پلٹ کر جب آپؐ اُن کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ”اے عُقَب! کیسا پایا تم نے؟“ اور اس کے بعد اُن کو ہدایت فرمائی کہ جب تم سونے لگو اور جب سو کر اٹھو تو اِن سورتوں کو پڑھا کرو۔ مُسندِ احمد، ابوداؤد، تِرمِذِی اور نَسائی میں عُقبہؓ بن عامر کی ایک روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے بعد مُعوِّذات (یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور مُعَوِّذَتَیْن) پڑھنے کی تلقین کی۔ نَسائی، ابنِ مَرْدُوْیَہ اور حاکم نے عُقبہؓ بن عامر کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر چلے جا رہے تھے اور میں آپؐ کے قدمِ مبارک پر ہاتھ رکھے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے عرض کیا: مجھے سورۂ

QuranUrdu.com

ہود یا سورۂ یوسف سکھا دیجیے۔ فرمایا: ''اللہ کے نزدیک بندے کے لیے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں ہے۔'' عبداللہ بن عابس الجُہَنی کی روایت نَسائی، بَیْہَقی، بَغَوِی اور ابنِ سعد نے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''ابنِ عابس! کیا میں تمھیں نہ بتاؤں کہ پناہ مانگنے والوں نے جتنی چیزوں کے ذریعے سے اللہ کی پناہ مانگی ہے، ان میں سب سے افضل کون سی چیزیں ہیں؟'' میں نے عرض کیا: ضرور یا رسولؐ اللہ۔ فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ، یہ دونوں سورتیں۔'' ابنِ مَرْدُوْیَہ نے حضرت اُمِّ سَلَمہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ کو جو سورتیں سب سے زیادہ پسند ہیں وہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو یہ غلط فہمی آخر کیسے لاحق ہوئی کہ یہ دونوں قرآنِ مجید کی سورتیں نہیں ہیں؟ اس کا جواب ہمیں دو رِوایتوں کو جمع کر کے دیکھنے سے ملتا ہے۔ ایک یہ روایت کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہتے تھے کہ یہ تو ایک حکم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا کہ آپؐ اِس طرح تعوّذ کیا کریں۔ دوسری وہ روایت جو کئی مختلف سندوں سے امام بخاریؒ نے صحیح البخاری میں، امام احمد نے اپنی مُسْنَد میں، حافظ ابوبکر الحُمَیْدی نے اپنی مُسْنَد میں، ابونُعَیم نے اپنی اَلْمُسْتَخْرَج میں اور نَسائی نے اپنی سُنَن میں زِرّ بن حُبَیْش کے حوالے سے تھوڑے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ حضرت اُبَیؓ بن کَعب سے، جو علمِ قرآن کے لحاظ سے صحابۂ کِرامؓ میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، نقل کی ہے۔ زِرّ بن حُبَیْش کا بیان ہے کہ میں نے حضرت اُبَیؓ سے کہا کہ آپ کے بھائی عبداللہؓ بن مسعود ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ آپ ان کے اس قول کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کے بارے میں سوال کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا: قُلْ، تو میں نے بھی کہا قُلْ۔ اس لیے ہم بھی اُسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ کہتے تھے۔'' امام احمد کی رِوایَت میں حضرت اُبَیؓ کے الفاظ یہ ہیں: ''میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ سے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ کہا تھا، اس لیے آپ نے بھی ایسا ہی کہا، اور انھوں نے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کہا تھا اس لیے آپ نے بھی ایسا ہی کہا۔ لہٰذا ہم بھی اُسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضورؐ نے کہا۔'' ان دونوں روایتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو دونوں سورتوں میں لفظ قُلْ (کہو) دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن انھوں نے حضورؐ سے اِس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ حضرت اُبَیؓ بن کَعب کے ذہن میں بھی اِس کے متعلق سوال پیدا ہوا اور انھوں نے حضورؐ سے اِس کو پوچھ لیا۔ حضورؐ نے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے چونکہ قُلْ کہا تھا، اس لیے میں بھی قُلْ کہتا ہوں۔ اس بات کو یوں سمجھیے کہ اگر کسی کو حکم دینا مقصود ہو اور اس سے کہا جائے کہ ''کہو، میں پناہ مانگتا

QuranUrdu.com

ہوں''، تو وہ حکم کی تعمیل میں یہ نہیں کہے گا کہ ''کہو، میں پناہ مانگتا ہوں''، بلکہ وہ ''کہو'' کا لفظ ساقط کر کے ''میں پناہ مانگتا ہوں'' کہے گا۔ بخلاف اس کے اگر کسی کو بالا دست حاکم کا پیغام بر اِن الفاظ میں پیغام پہنچائے کہ ''کہو، میں پناہ مانگتا ہوں'' اور یہ پیغام اُسے اپنے تک رکھنے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں تک پہنچانے کے لیے دیا جائے، تو وہ لوگوں تک پیغام کے الفاظ کو جُوں کا تُوں پہنچائے گا، اُس میں سے کوئی چیز ساقط کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ پس ان دونوں سورتوں کی ابتدا لفظِ قُلْ سے ہونا اِس بات کا صریح ثبوت ہے کہ یہ کلامِ وحی ہے، جسے حضورؐ انھی الفاظ میں پہنچانے کے پابند تھے جن الفاظ میں یہ آپؐ کو ملا تھا۔ اِس کی حیثیت محض ایک حکم کی نہ تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو۔ قرآنِ مجید میں ان دو سورتوں کے علاوہ ۳۳۰ آیتیں ایسی ہیں جو لفظِ قُلْ (کہو) سے شروع ہوئی ہیں۔ ان سب میں قُلْ کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ کلامِ وحی ہے، جسے اُنھی الفاظ میں پہنچانا حضورؐ کے ذمے فرض تھا جن الفاظ میں یہ آپؐ پر نازل کیا گیا تھا۔ ورنہ ہر جگہ قُلْ اگر ایک حکم ہوتا تو حضورؐ اِس لفظ کو ساقط کر کے وہ بات کہتے جس کے کہنے کا آپؐ کو حکم دیا گیا تھا، اور اُسے قرآن میں درج نہ کیا جاتا بلکہ حضورؐ صرف اِس حکم کی تعمیل میں وہ بات کہہ دینے پر اکتفا فرماتے جسے کہنے کا آپؐ کو حکم دیا گیا تھا۔

اِس مقام پر اگر آدمی کچھ غور کرے تو اُس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ سکتی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو بے خطا سمجھنا اور اُن کی کسی بات کے لیے غلط کا لفظ سنتے ہی توہینِ صحابہ کا شور مچا دینا کس قدر بے جا حرکت ہے۔ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی سے قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چُوک ہوگئی۔ ایسی چوک اگر اتنے عظیم مرتبے کے صحابی سے ہوسکتی ہے تو دوسروں سے بھی کوئی چُوک ہوجانی ممکن ہے۔ ہم علمی تحقیق کے لیے اُس کی چھان بین بھی کر سکتے ہیں، اور کسی صحابی کی کوئی بات یا چند باتیں غلط ہوں تو انھیں غلط بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ سخت ظالم ہوگا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے سے آگے بڑھ کر اُن پر زبانِ طعن دراز کرے۔ انھی مُعَوِّذَتَین کے بارے میں مفسرین و محدثین نے ابنِ مسعودؓ کی رائے کو غلط کہا ہے، مگر کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ قرآن کی دو سورتوں کا انکار کر کے، معاذ اللہ! وہ کافر ہوگئے تھے۔

حضورؐ پر جادو کا اثر ہونا

دوسرا مسئلہ جو اِن سورتوں کے معاملے میں پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ روایات کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا، اور اس کے اثر سے آپؐ بیمار ہوگئے تھے، اور اس اثر کو دُور کرنے کے لیے جبریل علیہ السلام نے آ کر آپؐ کو یہ سورتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی۔ اِس پر قدیم اور جدید زمانے کے بہت سے عقلیّت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ رِوایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مُشتَبَہ ہوجاتی ہے۔ کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہوسکتا تھا، اور اِن روایات کی رُو سے ہوگیا تھا، تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور پر نبی سے کیا کیا کہلوا اور کروا لیا ہو، اور اُس کی دی ہوئی تعلیم میں

QuranUrdu.com

کتنی چیزیں خدا کی طرف سے ہوں اور کتنی جادو کے زیرِ اثر۔ یہی نہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس بات کو سچ مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ جادو ہی کے ذریعے سے نبی کو نبوت کے دعوے پر اکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اُس کے پاس فرشتہ آیا ہے۔ اُن کا اِستِدلال یہ بھی ہے کہ یہ احادیث قرآنِ مجید سے متصادم ہیں۔ قرآن میں تو کفّار کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک مسحور، یعنی سِحر زدہ آدمی ہے (يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ بنی اسرائیل: ۴۷)، مگر یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر سِحر کا اثر ہوا تھا۔

اِس مسئلے کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا درحقیقت مستند تاریخی روایات کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا تھا؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے، اس پر وہ اعتراضات وارد بھی ہوتے ہیں یا نہیں جو کیے گئے ہیں؟

قُرُونِ اُولیٰ کے مسلمان علما کی یہ انتہائی راست بازی تھی کہ انھوں نے اپنے خیالات اور مَزعومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ جو کچھ تاریخی طور پر ثابت تھا اسے جُوں کا تُوں بعد کی نسلوں تک پہنچا دیا اور اِس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ اِن حقائق سے اگر کوئی الٹے نتائج نکالنے پر اتر آئے تو اُن کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اُس کے کام آ سکتا ہے۔ اب اگر ایک بات نہایت مُستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحبِ علم کے لیے نہ تو یہ دُرست ہے کہ وہ اِس بنا پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اُس کو مان لینے سے اُس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رونما ہوتی ہیں، اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہے، اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اُس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے اُس کا کام یہ ہے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اُس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلّق ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کا واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے، اور علمی تنقید سے اُس کو اگر غلط ثابت کیا جا سکتا ہو تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ اسے حضرت عائشہؓ، حضرت زیدؓ بن اَرقم اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری، مسلم، نَسائی، ابنِ ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حُمَیدی، بَیْہَقی، طَبَرانی، ابنِ سعد، ابنِ مَردُوْیَہ، ابنِ ابی شَیْبَہ، حاکم، عبد بن حُمَید وغیرہ محدثین نے اتنی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے کہ اُس کا نفسِ مضمون تواتُر کی حد کو پہنچا ہوا ہے، اگرچہ ایک ایک روایت بجائے خود خبرِ واحد ہے۔ اِس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انھیں ہم مجموعی طور پر تمام روایات سے مُرتّب کر کے ایک مربوط واقعے کی صورت

QuranUrdu.com

میں یہاں درج کرتے ہیں۔

صلحِ حُدَیبِیَہ کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو مُحرّم ۷ ھ میں خَیبَر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لَبِید بن اَعْصَم سے ملا جو انصار کے قبیلۂ بنی زُرَیق سے تعلق رکھتا تھا[1] ان لوگوں نے اُس سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمھیں معلوم ہے۔ ہم نے اُن پر بہت جادو کرنے کی کوشش کی، مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمھارے پاس آئے ہیں، کیونکہ تم ہم سے بڑے جادوگر ہو۔ لو، یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں، اِنھیں قبول کرو اور محمدؐ پر ایک زور کا جادو کردو۔ اُس زمانے میں حضورؐ کے ہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ اُس سے ساز باز کر کے اِن لوگوں نے حضورؐ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کرلیا جس میں آپؐ کے مُوئے مبارک تھے۔ انھی بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا گیا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ لَبِید بن اَعْصَم نے خود جادو کیا تھا، اور بعض میں یہ ہے کہ اس کی بہنیں اس سے زیادہ جادوگرنیاں تھیں، اُن سے اُس نے جادو کروایا تھا۔ بہر حال ان دونوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو، اس جادو کو ایک نَر کھجور کے خوشے کے غلاف[2] میں رکھ کر لَبِید نے بنی زُرَیق کے کنویں ذَرْوان یا ذی اَرْوان نامی کی تہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس جادو کا اثر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتے ہوتے پورا ایک سال لگا، دوسری ششماہی میں کچھ تغیُّرِ مزاج محسوس ہونا شروع ہوا، آخری چالیس دن سخت، اور آخری تین دن زیادہ سخت گزرے۔ مگر اس کا زیادہ سے زیادہ جو اثر حضورؐ پر ہوا، وہ بس یہ تھا کہ آپؐ گُھلتے چلے جارہے تھے، کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ وہ کرلیا ہے مگر نہیں کیا ہوتا تھا، اپنی اَزواج کے متعلق خیال فرماتے کہ آپؐ ان کے پاس گئے ہیں مگر نہیں گئے ہوتے تھے، اور بعض اوقات آپؐ کو اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام اثرات آپؐ کی ذات تک محدود رہے، حتّٰی کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہوسکا کہ آپؐ پر کیا گزر رہی ہے۔ رہی آپؐ کے نبی ہونے کی حیثیت، تو اُس میں آپؐ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہ ہونے پایا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اُس زمانے میں آپؐ قرآن کی کوئی آیت بھُول گئے ہوں، یا کوئی آیت آپؐ نے غلط پڑھ ڈالی ہو،

---

1 بعض راویوں نے اُسے یہودی کہا ہے، اور بعض نے منافق اور یہود کا حلیف۔ لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ وہ بنی زُرَیق میں سے تھا، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ بنی زُرَیق یہودیوں کا کوئی قبیلہ نہ تھا بلکہ خَزرَج میں سے انصار کا ایک قبیلہ تھا۔ اس لیے یا تو وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو اہلِ مدینہ میں سے یہودی ہوگئے تھے، یا یہود کا حلیف ہونے کی بنا پر بعض لوگوں نے اسے بھی یہودی شمار کرلیا۔ تاہم اس کے لیے منافق کا لفظ استعمال ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر وہ مسلمان بنا ہوا تھا۔

2 ابتدا میں کھجور کا خوشہ ایک غلاف کے اندر ہوتا ہے اور نَر کھجور کے غلاف کا رنگ انسان کے رنگ سے مِلتا جُلتا ہوتا ہے اور اس کی بو انسان کے مادّۂ منویہ جیسی ہوتی ہے۔

QuranUrdu.com

یا اپنی صحبتوں میں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں آپؐ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو، یا کوئی ایسا کلام آپؐ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپؐ پر نازل نہ ہوا ہو، یا نماز آپؐ سے چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی کبھی آپؐ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ ایسی کوئی بات، معاذ اللہ! پیش آ جاتی تو دھوم مچ جاتی، اور پورا ملکِ عرب اِس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چِت نہ کر سکی تھی، اسے ایک جادوگر کے جادو نے چِت کر دیا۔ لیکن آپؐ کی حیثیتِ نبوت اِس سے بالکل غیر متأثّر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ اپنی جگہ اِسے محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔ آخرِ کار ایک روز آپؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں تھے کہ آپؐ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی حالت میں نیند آ گئی یا غنودگی طاری ہوئی اور پھر بیدار ہو کر آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتا دی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دو آدمی (یعنی فرشتے دو آدمیوں کی صورت میں) میرے پاس آئے۔ ایک سرھانے کی طرف تھا اور دوسرا پائینتی کی طرف۔ ایک نے پوچھا: اِنھیں کیا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا: اِن پر جادو ہوا ہے۔ اُس نے پوچھا: کس نے کیا ہے؟ جواب دیا: لَبِید بن اَعْصَم نے۔ پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا: کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر۔ پوچھا: وہ کہاں ہے؟ جواب دیا: بنی زُرَیق کے کنویں ذی اَرْوان (یا ذَرْوان) کی تہ کے پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا: اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ کنویں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اُس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت عمّار بن یاسرؓ اور حضرت زُبیرؓ کو بھیجا۔ ان کے ساتھ جُبَیرؓ بن اِیاس الزُّرَقی اور قیسؓ بن مُحْصَن الزُّرَقی (یعنی بنی زُرَیق کے یہ دو اصحاب) بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں حضورؐ خود بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور وہ غلاف برآمد کر لیا گیا۔ اُس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرھیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پُتلا تھا جس میں سُوئیاں چُبھوئی ہوئی تھیں۔ جبریل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ آپؐ مُعَوِّذَتَین پڑھیں۔ چنانچہ آپؐ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور اس کے ساتھ ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پُتلے میں سے ایک ایک سُوئی نکالی جاتی رہی۔ خاتمہ تک پہنچتے ہی ساری گرھیں کھل گئیں، ساری سُوئیاں نکل گئیں، اور آپؐ جادُو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص بندھا ہوا تھا، پھر کھل گیا۔ اس کے بعد آپؐ نے لَبِید کو بلا کر باز پُرس کی۔ اُس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور آپؐ نے اس کو چھوڑ دیا، کیونکہ اپنی ذات کے لیے آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہی نہیں بلکہ آپؐ نے اِس معاملے کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے، اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔

یہ ہے سارا قصّہ اِس جادو کا۔ اِس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو آپؐ کے منصبِ نبوّت میں قادِح ہو۔ ذاتی حیثیت سے اگر آپؐ کو زخمی کیا جا سکتا تھا، جیسا کہ جنگِ اُحُد میں ہوا، اگر آپؐ گھوڑے سے گر کر چوٹ

QuranUrdu.com

کھا سکتے تھے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر آپؐ کو بچھو کاٹ سکتا تھا، جیسا کہ کچھ اور احادیث میں وارد ہوا ہے، اور اِن میں سے کوئی چیز بھی اُس تحفظ کے مُنافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے وعدہ کیا تھا، تو آپؐ اپنی ذاتی حیثیت میں جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے تھے۔ نبی پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے، یہ بات تو قرآنِ مجید سے بھی ثابت ہے۔ سورۂ اعراف میں فرعون کے جادوگروں کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے مقابلے میں جب وہ آئے تو انھوں نے ہزارہا آدمیوں کے اُس پورے مجمع کی نگاہوں پر جادو کر دیا جو وہاں دونوں کا مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہوا تھا (سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ۔ آیت ۱۱۶)، اور سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انھوں نے پھینکی تھیں، ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں حضرت موسیٰؑ نے بھی یہی سمجھا کہ وہ اُن کی طرف سانپوں کی طرح دوڑی چلی آ رہی ہیں اور اس سے حضرت موسیٰؑ خوف زدہ ہوگئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ خوف نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، ذرا اپنا عصا پھینکو (فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ۔ آیات ۶۶ تا ۶۹)۔ رہا یہ اعتراض کہ یہ تو کفّارِ مکہ کے اُس الزام کی تصدیق ہوگئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سحر زدہ آدمی کہتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپؐ کو سحر زدہ آدمی اِس معنیٰ میں نہیں کہتے تھے کہ آپؐ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہوگئے ہیں، بلکہ اِس معنیٰ میں کہتے تھے کہ کسی جادوگر نے، معاذ اللہ! آپؐ کو پاگل کر دیا ہے اور اِسی پاگل پن میں آپؐ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور جنت و دوزخ کے افسانے سنا رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملے پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف ذاتِ محمدؐ پر ہوا تھا، نبوتِ محمدؐ اس سے بالکل غیر متأثر رہی۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اَوہام کے قبیل کی چیز قرار دیتے ہیں، اُن کی یہ رائے صرف اِس وجہ سے ہے کہ جادو کے اثرات کی کوئی سائنٹفک توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ لیکن دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تجربے اور مشاہدے میں آتی ہیں، مگر سائنٹفک طریقے سے یہ بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رُونما ہوتی ہیں۔ اِس طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس چیز ہی کا انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔ جادو دراصل ایک نفسیّاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اُسی طرح متأثّر کر سکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متأثّر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوف ایک نفسیّاتی چیز ہے، مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور بدن میں تھرتھری چھوٹ جاتی ہے۔ دراصل جادو سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، مگر انسان کا نفس اور اس کے حواس اُس سے متأثّر ہو کر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہوگئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جادوگروں نے جو لاٹھیاں اور رسیاں پھینکی تھیں، وہ واقعی سانپ نہیں بن گئی

QuranUrdu.com

تھیں، لیکن ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انھیں سانپ ہی محسوس کیا، اور حضرت موسیٰؑ تک کے حواس جادو کی اِس تاثیر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اِسی طرح قرآن (البقرہ، آیت ۱۰۲) میں بیان کیا گیا ہے کہ بابل میں ہاروت اور ماروت سے لوگ ایسا جادو سیکھتے تھے جو شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دے۔ یہ بھی ایک نفسیاتی اثر تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر تجربے سے لوگوں کو اِس عمل کی کامیابی معلوم نہ ہوتی تو وہ اس کے خریدار نہ بن سکتے تھے۔ بلاشبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل دُرست ہے کہ بندوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا مؤثّر ہونا بھی اللہ کے اِذن کے بغیر ممکن نہیں ہے، مگر جو چیز ہزار ہا سال سے انسان کے تجربے اور مشاہدے میں آ رہی ہو، اس کے وجود کو جھٹلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔

اسلام میں جھاڑ پھونک کی حیثیت

تیسرا مسئلہ اِن سورتوں کے معاملے میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جھاڑ پھونک کی اسلام میں کوئی گنجایش ہے؟ اور یہ کہ جھاڑ پھونک بجائے خود مؤثّر بھی ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ بکثرت صحیح احادیث میں یہ ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سوتے وقت، اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں مُعَوِّذَتَین، یا بعض روایات کے مطابق مُعوِّذات (یعنی قُلْ ھُوَ اللہُ اور مُعَوِّذَتَین) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر، جہاں جہاں تک بھی آپؐ کے ہاتھ پہنچ سکتے، انھیں پھیرتے تھے۔ آخری بیماری میں جب آپؐ کے لیے خود ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہؓ نے یہ سورتیں (بطورِ خود یا حضورؐ کے حکم سے) پڑھیں اور آپؐ کے دستِ مبارک کی برکت کے خیال سے آپؐ ہی کے ہاتھ لے کر آپؐ کے جسم پر پھیرے۔ اِس مضمون کی روایات صحیح سندوں کے ساتھ بخاری، مسلم، نَسائی، ابنِ ماجہ، ابوداؤد اور مُوَطّا امام مالک میں خود حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں، جن سے بڑھ کر کوئی بھی حضورؐ کی خانگی زندگی سے واقف نہ ہو سکتا تھا۔

اِس معاملے میں پہلے مسئلۂ شرعی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طویل روایت آئی ہے جس کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمّت کے وہ لوگ بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے جو نہ داغنے کا علاج کراتے ہیں، نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ فال لیتے ہیں، بلکہ اپنے رب پر توکُّل کرتے ہیں۔ (مسلم) حضرت مُغیرہؓ بن شُعبَہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: جس نے داغنے سے علاج کرایا اور جھاڑ پھونک کرائی، وہ اللہ پر توکُّل سے بے تعلّق ہو گیا۔ (ترمِذی) حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس چیزوں کو ناپسند فرماتے تھے جن میں سے ایک جھاڑ پھونک بھی ہے، سوائے مُعَوِّذَتَین یا مُعَوِّذات کے۔ (ابوداؤد، احمد، نَسائی، ابنِ حِبّان، حاکم) بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے بالکل منع فرما دیا تھا، لیکن بعد میں اِس شرط کے ساتھ اس کی اجازت دے دی کہ اس میں شرک نہ ہو، اللہ کے پاک ناموں یا اس کے کلام سے جھاڑا جائے، کلام ایسا ہو جو سمجھ میں آئے اور یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس میں کوئی گناہ کی چیز

QuranUrdu.com

نہیں ہے، اور بھروسا جھاڑ پھونک پر نہ کیا جائے کہ وہ بجائے خود شفا دینے والی ہے، بلکہ اللہ پر اعتماد کیا جائے کہ وہ چاہے گا تو اسے نافع بنا دے گا۔ یہ مسئلۂ شرعی واضح ہو جانے کے بعد اب دیکھیے کہ احادیث اس بارے میں کیا کہتی ہیں:

طَبَرانی نے صغیر میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ کو ایک دفعہ نماز کی حالت میں بچھو نے کاٹ لیا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: بچھو پر خدا کی لعنت، یہ نہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے نہ کسی اور کو۔ پھر پانی اور نمک منگوایا اور جہاں بچھو نے کاٹا تھا وہاں آپؐ نمکین پانی ملتے جاتے تھے اور قُلْ يَآَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے جاتے تھے۔

ابنِ عباسؓ کی یہ روایت بھی احادیث میں آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ پر یہ دعا پڑھتے تھے: أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔ ”میں تم کو اللہ کے بے عیب کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور موذی سے اور ہر نظرِ بد سے۔“ (بخاری، مُسنَدِ احمد، تِرمِذی اور ابنِ ماجہ)

عثمانؓ بن ابی العاص الثَّقَفی کے متعلق مسلم، مُؤَطّا، طَبَرانی اور حاکم میں تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں، مجھے ایک درد محسوس ہوتا ہے جو مجھ کو مارے ڈالتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اپنا سیدھا ہاتھ اُس جگہ پر رکھو جہاں درد ہوتا ہے، پھر تین مرتبہ بسم اللہ کہو اور سات مرتبہ یہ کہتے ہوئے ہاتھ پھیرو کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَآ اَجِدُ وَاُحَاذِرُ، ”میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ مانگتا ہوں، اُس چیز کے شر سے جس کو میں محسوس کرتا ہوں اور جس کے لاحق ہونے کا مجھے خوف ہے۔“ مُؤَطّا میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ عثمانؓ بن ابی العاص نے کہا کہ اس کے بعد میرا وہ درد جاتا رہا، اور اِسی چیز کی تعلیم میں اپنے گھر والوں کو دیتا ہوں۔

مُسنَدِ احمد اور طَحاوِی میں طَلْق بن علیؓ کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بچھو نے کاٹ لیا۔ حضورؐ نے مجھ پر پڑھ کر پھونکا اور اس جگہ پر ہاتھ پھیرا۔

مسلم میں ابوسعیدؓ خُدری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو جبریلؑ نے آ کر پوچھا ”اے محمدؐ! کیا آپ بیمار ہو گئے؟“ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ انھوں نے کہا: بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ، ”میں اللہ کے نام پر آپؐ کو جھاڑتا ہوں ہر اُس چیز سے جو آپؐ کو اذیت دے، اور ہر نفس اور حاسد کی نظر کے شر سے، اللہ آپؐ کو شفا دے، میں اُس کے نام پر آپؐ کو جھاڑتا ہوں۔“ اسی سے ملتی جلتی روایت مُسنَدِ احمد میں حضرت

QuranUrdu.com

عُبادہؓ بن صامِت سے منقول ہے کہ حضورؐ بیمار تھے۔ میں عیادت کے لیے گیا تو آپؐ کو سخت تکلیف میں پایا۔ شام کو گیا تو آپؐ بالکل تندرست تھے۔ میں نے اس قدر جلدی میں تندرست ہو جانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جبریلؑ آئے تھے اور انھوں نے مجھے چند کلمات سے جھاڑا۔ پھر آپؐ نے قریب قریب اُسی طرح کے الفاظ اُن کو سنائے جو اُوپر والی حدیث میں نقل کیے گئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے بھی مسلم اور مُسندِ احمد میں ایسی ہی روایت نقل کی گئی ہے۔

امام احمد نے اپنی مُسنَد میں حضرت حَفصہؓ اُمّ المؤمنین کی روایت نقل کی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں آئے اور میرے پاس ایک خاتون شِفا[1] نامی بیٹھی تھیں جو نَملہ (ذُباب) کو جھاڑا کرتی تھیں۔ حضورؐ نے فرمایا: حَفصہؓ کو بھی وہ عمل سکھا دو۔ خود شِفاؓ بنتِ عبداللہ کی یہ روایت امام احمد، ابوداؤد اور نَسائی نے نقل کی ہے کہ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے حَفصہؓ کو جس طرح لکھنا پڑھنا سکھایا ہے، نَملہ کا جھاڑنا بھی سکھا دو۔

مسلم میں عَوفؓ بن مالک اَشجَعیؓ کی روایت ہے کہ جاہلیّت کے زمانے میں ہم لوگ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اس معاملے میں حضورؐ کی رائے کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جن چیزوں سے تم جھاڑتے تھے وہ میرے سامنے پیش کرو، جھاڑنے میں مُضایقہ نہیں ہے جب تک اُس میں شرک نہ ہو۔

مسلم، مُسند احمد اور ابنِ ماجہ میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے روک دیا تھا۔ پھر حضرت عَمروؓ بن حَزم کے خاندان کے لوگ آئے اور کہا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو (یا سانپ) کاٹے کو جھاڑتے تھے۔ مگر آپؐ نے اِس کام سے منع فرما دیا ہے۔ پھر انھوں نے وہ چیز آپؐ کو سنائی جو وہ پڑھتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ”اِس میں تو کوئی مضایقہ مَیں نہیں پاتا، تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔“ جابرؓ بن عبداللہ کی دوسری حدیث مسلم میں یہ ہے کہ آلِ حَزم کے پاس سانپ کاٹے کا عمل تھا اور حضورؐ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔ اس کی تائید مسلم، مُسنَدِ احمد اور ابنِ ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت بھی کرتی ہے کہ حضورؐ نے انصار کے ایک خاندان کو ہر زہریلے جانور کے کاٹے کو جھاڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مُسنَدِ احمد اور ترمذی اور مسلم اور ابنِ ماجہ میں حضرت اَنسؓ سے بھی اس سے مِلتی جُلتی روایات نقل کی گئی ہیں، جن میں حضورؐ نے زہریلے جانوروں کے کاٹے، اور ذُباب کے مرض اور نظرِ بد کے جھاڑنے کی اجازت دی۔

---

1 ان خاتون کا اصل نام لیلیٰ تھا، مگر شِفاؓ بنتِ عبداللہ کے نام سے مشہور تھیں۔ ہجرت سے پہلے ایمان لائیں۔ قریش کے خاندان بنی عَدِی سے ان کا تعلق تھا۔ یہ وہی خاندان ہے جس کے ایک فرد حضرت عمرؓ تھے۔ اِس طرح یہ حضرت حَفصہؓ کی رشتہ دار ہوتی تھیں۔

QuranUrdu.com

مُسندِ احمد، ترمِذی، ابنِ ماجہ اور حاکم نے حضرت عُمیرؓ مولیٰ ابِی اللَّحم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جاہلیّت کے زمانے میں میرے پاس ایک عمل تھا جس سے میں جھاڑا کرتا تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: فُلاں فُلاں چیزیں اس میں سے نکال دو، باقی سے تم جھاڑ سکتے ہو۔

مُؤطّا میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ بیمار ہیں اور ایک یہودیہ اُن کو جھاڑ رہی ہے۔ اس پر انھوں نے فرمایا کہ کتاب اللہ پڑھ کر جھاڑ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ کتاب اگر تورات یا انجیل کی آیات پڑھ کر جھاڑیں تب بھی یہ جائز ہے۔

رہا یہ سوال کہ آیا جھاڑ پھونک مفید بھی ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا اور علاج سے نہ صرف یہ کہ کبھی منع نہیں فرمایا، بلکہ خود فرمایا کہ ہر مرض کی دوا اللہ نے پیدا کی ہے اور تم لوگ دوا کیا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لوگوں کو بعض امراض کے علاج بتائے ہیں، جیسا کہ احادیث میں کتاب الطِّب کو دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے۔ لیکن دوا بھی اللہ ہی کے حکم اور اِذن سے نافع ہوتی ہے، ورنہ اگر دوا اور طبّی مُعالجَہ ہر حال میں نافع ہوتا تو ہسپتالوں میں کوئی نہ مرتا۔ اب اگر دوا اور علاج کرنے کے ساتھ اللہ کے کلام اور اس کے اَسمائے حُسنیٰ سے بھی استفادہ کیا جائے، یا ایسی جگہ جہاں کوئی طبّی امداد میسّر نہ ہو، اللہ ہی کی طرف رُجوع کر کے اس کے کلام اور اسما و صفات سے اِستعانت کی جائے، تو یہ مادّہ پرستوں کے سوا کسی کی عقل کے بھی خلاف نہیں ہے۔[1] البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ دوا اور علاج کو، جہاں وہ میسّر ہو، جان بُوجھ کر چھوڑ دیا جائے، اور صرف جھاڑ پھونک سے کام لینے ہی پر اکتفا کیا جائے، اور کچھ لوگ عملّیات اور تعویذوں کے مَطَب کھول کر بیٹھ جائیں اور اسی کو کمائی کا ذریعہ بنالیں۔

اس معاملے میں بہت سے لوگ حضرت ابوسعید خُدرِیؓ کی اُس روایت سے اِستِدلال کرتے ہیں

1 مادہ پرست دنیا کے بھی بہت سے ڈاکٹروں نے اعتراف کیا ہے کہ دعا اور رُجوع الی اللہ مریضوں کی شفایابی میں بہت کارگر چیز ہے۔ اور اِس کا خود مجھے ذاتی طور پر اپنی زندگی میں دو مرتبہ تجربہ ہوا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب مجھے نظر بند کیا گیا تو چند روز بعد ایک پتھری میرے مَثانے میں آ کر اَڑ گئی اور ۱۶ گھنٹے تک پیشاب بند رہا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میں ظالموں سے علاج کی درخواست نہیں کرنا چاہتا، تو ہی میرا علاج فرمادے۔ چنانچہ وہ پتھری پیشاب کے راستے سے ہٹ گئی اور ۲۰ برس تک ہٹی رہی، یہاں تک کہ ۱۹۶۸ء میں اس نے پھر تکلیف دی اور اس کو آپریشن کر کے نکالا گیا۔ دوسری مرتبہ جب ۱۹۵۳ء میں مجھے گرفتار کیا گیا تو میری دونوں پنڈلیاں کئی مہینے سے داد کی سخت تکلیف میں مبتلا تھیں اور کسی علاج سے آرام نہیں آ رہا تھا۔ گرفتاری کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے پھر وہی دعا کی جو ۱۹۴۸ء میں کی تھی، اور کسی علاج اور دوا کے بغیر پنڈلیاں داد سے بالکل صاف ہوگئیں۔ آج تک پھر کبھی وہ بیماری مجھے نہیں ہوئی۔

QuranUrdu.com

جو بخاری، مسلم، ترمِذِی، مُسندِ احمد، ابوداؤد اور ابنِ ماجہ میں منقول ہوئی ہیں اور اس کی تائید بخاری میں ابنِ عباسؓ کی بھی ایک روایت کرتی ہے۔ اس میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم پر اپنے چند اصحاب کو بھیجا، جن میں حضرت ابوسعید خُدرِیؓ بھی تھے۔ یہ حضرات راستے میں عرب کے ایک قبیلے کی بستی پر جا کر ٹھیرے اور انھوں نے قبیلے والوں سے کہا کہ ہماری میزبانی کرو۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ اتنے میں قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا اور وہ لوگ اِن مسافروں کے پاس آئے اور کہا کہ تمھارے پاس کوئی دوا یا عمل ہے جس سے تم ہمارے سردار کا علاج کر دو؟ حضرت ابوسعیدؓ نے کہا: ہے تو سہی، مگر چونکہ تم نے ہماری میزبانی سے انکار کیا ہے، اس لیے جب تک تم کچھ دینا نہ کرو، ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انھوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ (بعض روایات میں ہے ۳۰ بکریاں) دینے کا وعدہ کیا اور حضرت ابوسعیدؓ نے جا کر اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور لُعابِ دہن اس پر ملتے گئے۔[1] آخرِ کار بچھو کا اثر زائل ہو گیا اور قبیلے والوں نے جتنی بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ لا کر دے دیں۔ مگر ان حضرات نے آپس میں کہا: اِن بکریوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ نہ لیا جائے۔ نہ معلوم اس کام پر اجرت لینا جائز ہے یا نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ حضوؐر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا عرض کیا۔ حضوؐر نے ہنس کر فرمایا: ”تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورت جھاڑنے کے کام بھی آ سکتی ہے؟ بکریاں لے لو اور ان میں میرا حصّہ بھی لگاؤ۔“

لیکن اِس حدیث سے تعویذ، گنڈے اور جھاڑ پھونک کے مَطَب چلانے کا جواز نکالنے سے پہلے عرب کے اُن حالات کو نگاہ میں رکھنا چاہیے جن میں حضرت ابوسعید خُدرِیؓ نے یہ کام کیا تھا اور حضوؐر نے اسے نہ صرف جائز رکھا تھا، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا حصّہ بھی لگاؤ، تاکہ اس کے جواز وعَدَمِ جواز کے معاملے میں اِن اصحاب کے دلوں میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ عرب کے حالات اُس زمانے میں بھی یہ تھے، اور آج تک یہ ہیں کہ پچاس پچاس، سو سو، ڈیڑھ ڈیڑھ سو میل تک آدمی کو ایک بستی سے چل کر دوسری بستی نہیں ملتی۔ بستیاں بھی اُس وقت ایسی نہ تھیں جن میں ہوٹل، سرائے یا کھانے کی دکانیں موجود ہوں اور مسافر کئی روز کی مَسافت طے کر کے جب وہاں پہنچے تو سامانِ خورونوش خرید سکے۔ اِن حالات میں یہ بات عرب کے معروف اُصولِ اَخلاق میں شامل تھی کہ مسافر جب کسی بستی پر پہنچیں تو بستی کے لوگ ان کی میزبانی کریں۔ اِس سے انکار کے معنیٰ، بسا اوقات مسافروں کے لیے موت کے ہوتے تھے، اور عرب میں اِس طرزِ عمل کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے اِس فعل کو جائز رکھا کہ جب قبیلے والوں نے میزبانی سے انکار کر دیا تھا تو ان کے سردار کا علاج کرنے

---

[1] اکثر روایات میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ عمل کرنے والے حضرت ابوسعیدؓ تھے۔ بلکہ ان میں یہ صراحت بھی نہیں ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ خود اس مہم میں شریک تھے۔ لیکن ترمِذی کی روایت میں دونوں باتوں کی صراحت ہے۔

QuranUrdu.com

سے انھوں نے بھی انکار کر دیا، اور اس شرط پر اس کا علاج کرنے پر راضی ہوئے کہ وہ ان کو کچھ دینا کریں۔ پھر جب ان میں سے ایک صاحب نے اللہ کے بھروسے پر سورۂ فاتحہ اُس سردار پر پڑھی اور وہ اس سے اچھا ہوگیا تو طے شدہ اُجرت قبیلے والوں نے لا کر دے دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُجرت کے لینے کو حلال وطیّب قرار دیا۔ بخاری میں اس واقعے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایت ہے، اس میں حضورؐ کے الفاظ یہ ہیں کہ اِنَّ احقَّ ما اخذتم علیه اجرًا کتاب اللّٰہِ، یعنی بجائے اس کے کہ تم کوئی اور عمل کرتے، تمھارے لیے یہ زیادہ برحق بات تھی کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھ کر اس پر اُجرت لی۔ یہ آپؐ نے اس لیے فرمایا کہ دوسرے تمام عملیات سے اللہ کا کلام بڑھ کر ہے، علاوہ بریں اِس طرح عرب کے اُس قبیلے پر حقِ تبلیغ بھی ادا ہوگیا کہ انھیں اس کلام کی برکت معلوم ہوگئی جو اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اس واقعے کو اُن لوگوں کے لیے نظیر قرار نہیں دیا جا سکتا جو شہروں اور قصبوں میں بیٹھ کر جھاڑ پھونک کے مَطَب چلاتے ہیں اور اسی کو انھوں نے وسیلۂ مَعاش بنا رکھا ہے۔ اس کی کوئی نظیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ و تابعین اور ائمّۂ سَلَف کے ہاں نہیں ملتی۔

سورۂ فاتحہ اور اِن سورتوں کی مناسبت

آخری چیز جو مُعَوِّذَتَیْن کے بارے میں قابلِ توجُّہ ہے، وہ قرآن کے آغاز اور اختتام کی مناسبت ہے۔ اگرچہ قرآنِ مجید ترتیبِ نزول پر مُرتَّب نہیں کیا گیا ہے، مگر ۲۳ سال کے دوران میں مختلف حالات اور مواقع اور ضروریات کے لحاظ سے نازل ہونے والی آیات اور سورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ خود نہیں، بلکہ اُن کے نازل کرنے والے خدا کے حکم سے اُس شکل میں مُرتَّب فرمایا جس میں ہم اب اس کو پاتے ہیں۔ اِس ترتیب کے لحاظ سے قرآن کا آغاز سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام مُعَوِّذَتَیْن پر۔ اب ذرا دونوں پر ایک نگاہ ڈالیے۔ آغاز میں اللہ رب العالمین، رحمٰن و رحیم، اور مالکِ یوم الدین کی حمد و ثنا کر کے بندہ عرض کرتا ہے کہ آپ ہی کی مَیں بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں، اور سب سے بڑی مدد جو مجھے درکار ہے، وہ یہ ہے کہ مجھے سیدھا راستہ بتائیے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھانے کے لیے اُسے پورا قرآن دیا جاتا ہے، اور اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے، جو ربُّ الفَلَق، ربُّ النّاس، مَلِکُ النّاس اور اِلٰہُ النّاس ہے، عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنے اور شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں، اور خُصوصیّت کے ساتھ شیاطینِ جنّ و انس کے وسوسوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں، کیونکہ راہِ راست کی پیروی میں وہی سب سے زیادہ مانع ہوتے ہیں۔ اُس آغاز کے ساتھ یہ اختتام جو مناسبت رکھتا ہے، وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

آیاتہا ۵ سُوْرَۃُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ(۱) مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ(۲) وَ مِنْ شَرِّ
غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ(۳) وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ(۴)
وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (۵) ع

ع ۵ ۳۸

کہو[۱]، میں پناہ مانگتا ہوں[۲] صبح کے ربّ[۳] کی، ہر اُس چیز کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہے[۴]، اور رات کی تاریکی کے شر سے جب کہ وہ چھا جائے[۵]، اور گرہوں میں پھُونکنے والوں (یا والیوں) کے شر سے[۶]، اور حاسد کے شر سے جب کہ وہ حسد کرے[۷]۔ ع

۱ – چونکہ قُلْ (کہو) کا لفظ اُس پیغام کا ایک حصّہ ہے جو تبلیغِ رسالت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعۂ وحی نازل ہوا ہے، اس لیے اگرچہ اِس ارشاد کے اوّلین مخاطَب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، مگر آپ کے بعد ہر مومن بھی اِس کا مُخاطَب ہے۔

۲ – پناہ مانگنے کے فعل میں لازماً تین اجزا شامل ہوتے ہیں۔ ایک، بجائے خود پناہ مانگنا۔ دوسرے، پناہ مانگنے والا۔ تیسرا، وہ جس کی پناہ مانگی جائے۔ پناہ مانگنے سے مراد کسی چیز سے خوف محسوس کر کے اپنے آپ کو اس سے بچانے کے لیے کسی دوسرے کی حفاظت میں جانا، یا اس کی آڑ لینا، یا اُس سے لپٹ جانا، یا اُس کے سایے میں چلا جانا ہے۔ پناہ مانگنے والا بہر حال وہی شخص ہوتا ہے جو محسوس کرتا ہے کہ جس چیز سے وہ ڈر رہا ہے، اس کا مقابلہ وہ خود نہیں کر سکے گا، بلکہ وہ اِس کا حاجت مند ہے کہ اُس سے بچنے کے لیے دوسرے کی پناہ لے۔ پھر جس کی پناہ مانگی جاتی ہے، وہ لازماً کوئی ایسا ہی شخص یا وجود ہوتا ہے جس کے متعلق پناہ لینے والا یہ سمجھتا ہے کہ اُس خوفناک چیز سے وہی اس کو بچا سکتا ہے۔ اب پناہ کی ایک قسم تو وہ ہے جو قوانینِ طبعی کے مطابق عالَمِ اسباب کے اندر کسی محسوس مادّی چیز یا شخص یا طاقت سے حاصل کی جاتی ہے۔ مثلاً دشمن کے حملے سے بچنے کے لیے کسی قلعے میں پناہ لینا، یا گولیوں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لیے خندق یا کسی دَمدَمے یا کسی دیوار کی آڑ لینا، یا کسی طاقت ور ظالم سے بچنے کے لیے کسی انسان یا قوم یا حکومت کے پاس پناہ لینا، یا دھوپ سے بچنے کے لیے کسی درخت یا عمارت کے سایے میں پناہ لینا۔ بخلاف اس کے دوسری قسم وہ ہے جس میں ہر طرح کے خطرات اور ہر طرح کی مادّی، اخلاقی یا روحانی مضرّتوں اور نقصان رساں چیزوں سے کسی فوق الفطری ہستی

QuranUrdu.com

کی پناہ اس عقیدے کی بنا پر مانگی جاتی ہے کہ وہ ہستی عالَمِ اسباب پر حکمراں ہے اور بالاتر از حس و ادراک طریقے سے وہ اُس شخص کی ضرور حفاظت کر سکتی ہے جو اُس کی پناہ ڈھونڈ رہا ہے۔ پناہ کی یہ دوسری قسم ہی نہ صرف سورۂ فلق اور سورۂ ناس میں مراد ہے، بلکہ قرآن اور حدیث میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد یہی خاص قسم کی پناہ ہے۔ اور عقیدۂ توحید کا لازمہ یہ ہے کہ اِس نوعیّت کا تعوّذ یا اِستِعاذہ (پناہ مانگنا) اللہ کے سوا کسی اور سے نہ کیا جائے۔ مشرکین اِس نوعیت کا تحفُّظ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں، مثلاً جِنّوں یا دیویوں اور دیوتاؤں سے مانگتے تھے اور آج بھی مانگتے ہیں۔ مادّہ پرست لوگ اِس کے لیے بھی مادّی ذرائع و وسائل ہی کی طرف رُجوع کرتے ہیں، کیونکہ وہ کسی فوق الفطری طاقت کے قائل نہیں ہیں۔ مگر مومن ایسی تمام آفات و بَلیّات کے مقابلے میں، جن کو دفع کرنے پر وہ خود اپنے آپ کو قادر نہیں سمجھتا، صرف اللہ کی طرف رجوع کرتا اور اسی کی پناہ مانگتا ہے۔ مثال کے طور پر مشرکین کے متعلّق قرآن میں بیان کیا گیا ہے: وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ ''اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ، جِنّوں میں سے کچھ لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے۔'' (الجن: ۶) اور اِس کی تشریح کرتے ہوئے ہم سورۂ جِنّ حاشیہ ۷ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ روایت نقل کر چکے ہیں کہ مشرکینِ عرب کو جب رات کسی سُنسان وادی میں گزارنی پڑتی تو وہ پکار کر کہتے: ''ہم اِس وادی کے رب کی (یعنی اُس جِنّ کی جو اِس وادی پر حکمران ہے یا اِس وادی کا مالک ہے) پناہ مانگتے ہیں۔'' بخلاف اس کے، فرعون کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی پیش کردہ عظیم نشانیوں کو دیکھ کر فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ ''وہ اپنے بَل بُوتے پر اکڑ گیا۔'' (الذّاریات: ۳۹) لیکن خدا پرستوں کا رَوِیّہ قرآن میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس چیز کا بھی وہ خوف محسوس کرتے ہیں، خواہ وہ مادّی ہو یا اخلاقی یا روحانی، اس کے شر سے بچنے کے لیے وہ خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مریمؑ کے متعلق بیان ہوا ہے کہ جب اچانک تنہائی میں خدا کا فرشتہ ایک مرد کی شکل میں اُن کے سامنے آیا (جب کہ وہ نہ جانتی تھیں کہ یہ فرشتہ ہے) تو انھوں نے کہا: اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا، ''اگر تو خدا سے ڈرنے والا آدمی ہے تو میں تجھ سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔'' (مریم: ۱۸) حضرت نوحؑ نے جب اللہ تعالیٰ سے ایک بے جا دعا کی اور جواب میں اللہ کی طرف سے اُن پر ڈانٹ پڑی تو انھوں نے فوراً عرض کیا: رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ''میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اِس بات سے کہ میں تجھ سے ایسی چیز کی درخواست کروں جس کا مجھے علم نہیں ہے۔'' (ہود: ۴۷) حضرت موسیٰؑ نے جب بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے کہا کہ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں، تو انھوں نے جواب میں فرمایا: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ''میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اِس بات سے کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں''۔ (البقرہ: ۶۷)

یہی شان اُن تمام تعوّذات کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کُتُبِ حدیث میں منقول ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر حضورؐ کی حسبِ ذیل دعاؤں کو مُلاحظہ کیجیے:

عن عائشة ان النبی صلّی اللہ علیه وسلم کان یقول فی دعآئه اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ	حضرت عائشہؓ سے رِوایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ ''خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں

QuranUrdu.com

اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ اَعْمَلْ۔ (مسلم)

اُن کاموں کے شر سے جو میں نے کیے اور اُن کاموں کے شر سے جو میں نے نہیں کیے۔" (یعنی اگر میں نے کوئی غلط کام کیا ہے تو اس کے بُرے نتیجے سے پناہ مانگتا ہوں، اور اگر کوئی کام جو کرنا چاہیے تھا، میں نے نہیں کیا تو اُس کے نقصان سے بھی پناہ مانگتا ہوں، یا اِس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ جو کام نہ کرنا چاہیے وہ میں کبھی کر گزروں)۔

عن ابن عمر کان من دعآءِ رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَ تَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفَجْأَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔ (مسلم)

ابنِ عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیری جو نعمت مجھے حاصل ہے وہ چھن جائے، اور تجھ سے جو عافیت مجھے نصیب ہے وہ نصیب نہ رہے، اور تیرا غضب یکایک ٹوٹ پڑے، اور پناہ مانگتا ہوں تیری ہر طرح کی ناراضی سے۔"

عن زید بن ارقم کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ۔ (مسلم)

زیدؓ بن ارقم کی رِوایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اُس علم سے جو نافع نہ ہو، اس دل سے جو تیرا خوف نہ کرے، اُس نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو، اور اُس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔"

عن ابی ھریرۃ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے، کیونکہ وہ بدترین چیز ہے جس کے ساتھ کوئی رات گزارے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں خیانت سے، کیونکہ وہ بڑی بدباطنی ہے۔"

عن انس ان النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقول اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَ الْجُنُوْنِ وَ الْجُذَامِ وَ سَيِّءِ الْاَسْقَامِ۔ (ابوداؤد)

حضرت اَنَسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کوڑھ اور جُنون اور جُذام اور تمام بُری بیماریوں سے۔"

عن عائشة ان النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم کان یدعو بھٰؤلاء الکلمات اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَمِنْ

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِن کلمات کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے: "خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے فتنے سے اور مالداری اور مفلسی کے

QuranUrdu.com

شَرِّ الْغِنٰی وَالْفَقْرِ۔ (ترمذی وابوداؤد)

شر سے۔"

عن قُطبة بن مالك كان النبی صلى الله عليه وسلم يقول اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ مُّنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ (ترمذی)

قُطْبَہؓ بن مالک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "خدایا! میں بُرے اخلاق اور بُرے اعمال اور بُری خواہشات سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

شَکَلؓ بن حُمَید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے کوئی دعا بتائیے۔ فرمایا، کہو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ، وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ، وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ، وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ، وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ۔ (ترمذی وابوداؤد)

خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنی سماعت کے شر سے، اور اپنی بصارت کے شر سے، اور اپنی زبان کے شر سے، اور اپنے دل کے شر سے، اور اپنی شہوت کے شر سے۔

عن انس بن مالك كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ (وفی رواية لمسلم) وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔ (بخاری ومسلم)

اَنَسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: "خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں عاجزی اور سُستی اور بزدلی اور بُڑھاپے اور بُخل سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب اور زندگی و موت کے فتنے سے (اور مسلم کی ایک روایت میں یہ بھی ہے) اور قرض کے بوجھ سے، اور اس بات سے کہ لوگ مجھ پر غالب ہوں۔"

عن خَوْلَة بنت حُكَيْم السُّلَمِيَّة سمعتُ رسول الله صلّى الله عليه وسلم يقول مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا ثُمَّ قَالَ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَیْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ ذٰلِكَ الْمَنْزِلِ۔ (مسلم)

خَوْلَہؓ بنت حُکَیم سُلَمِیّہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی نئی منزل پر اترے اور یہ الفاظ کہے کہ "میں اللہ کے بے عیب کلمات کی پناہ مانگتا ہوں مخلوقات کے شر سے، تو اسے کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی، یہاں تک کہ وہ اس منزل سے کوچ کر جائے۔"

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند تَعَوُّذات بطورِ نمونہ ہم نے احادیث سے نقل کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا کام ہر خطرے اور شر سے خدا کی پناہ مانگنا ہے نہ کہ کسی اور کی پناہ، اور نہ اس کا یہ کام ہے کہ خدا سے بے نیاز ہو کر وہ اپنے آپ پر بھروسا کرے۔

۳۔ اصل میں لفظ رَبُّ الْفَلَقِ استعمال ہوا ہے۔ فَلَق کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں۔ مفسرین کی عظیم اکثریت نے اس سے مراد رات کی تاریکی کو پھاڑ کر سپیدۂ صبح نکالنا لیا ہے، کیونکہ عربی زبان میں فَلَقُ الصبح کا لفظ طُلوعِ صبح کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتا ہے، اور قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ کے الفاظ استعمال

QuranUrdu.com

ہوئے ہیں، یعنی ”وہ جورات کی تاریکی کو پھاڑ کر صبح نکالتا ہے۔“ (الانعام: ۹٦) فلَق کے دوسرے معنیٰ خَلق بھی لیے گئے ہیں، کیونکہ دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں، وہ کسی نہ کسی چیز کو پھاڑ کر نکلتی ہیں۔ تمام نباتات بیج اور زمین کو پھاڑ کر اپنی کونپل نکالتے ہیں۔ تمام حیوانات یا تو رحِم مادر سے برآمد ہوتے ہیں، یا انڈا توڑ کر نکلتے ہیں، یا کسی اور مانعِ ظُہور چیز کو چیر کر باہر آتے ہیں۔ تمام چشمے پہاڑ یا زمین کو شق کر کے نکلتے ہیں۔ دن، رات کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتا ہے۔ بارش کے قطرے بادلوں کو چیر کر زمین کا رخ کرتے ہیں۔ غرض، موجودات میں سے ہر چیز کسی نہ کسی طرح کے اِنشِقاق کے نتیجے میں عَدَم سے وجود میں آتی ہے، حتّٰی کہ زمین اور سارے آسمان بھی پہلے ایک ڈھیر تھے جس کو پھاڑ کر انھیں جدا جدا کیا گیا، كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا (الانبیاء: ۳۰) پس اِس معنیٰ کے لحاظ سے فلق کا لفظ تمام مخلوقات کے لیے عام ہے۔ اب اگر پہلے معنیٰ لیے جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں طلوعِ صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں، اور دوسرے معنیٰ لیے جائیں تو مطلب ہوگا: میں تمام خَلق کے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ اِس جگہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذات چھوڑ کر اُس کا اسمِ صفت ”رب“ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ پناہ مانگنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ”رب“، یعنی مالک و پروردگار اور آقا و مُربّی ہونے کی صفت زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ پھر رَبُّ الْفَلَقِ سے مراد اگر طلوعِ صبح کا رَبّ ہو تو اس کی پناہ لینے کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ جو رب تاریکی کو چھانٹ کر صبحِ روشن نکالتا ہے مَیں اُس کی پناہ لیتا ہوں، تاکہ وہ آفات کے ہُجوم کو چھانٹ کر میرے لیے عافیت پیدا کر دے، اور اگر اس سے مراد رَبِّ خَلق ہو تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ میں ساری خلق کے مالک کی پناہ لیتا ہوں، تاکہ وہ اپنی مخلوق کے شر سے مجھے بچائے۔

۴ – بالفاظِ دیگر، تمام مخلوقات کے شر سے میں اُس کی پناہ مانگتا ہوں۔ اِس فقرے میں چند باتیں قابلِ غور ہیں:

اوّل، یہ کہ شر کو پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی گئی، بلکہ مخلوقات کی پیدائش کی نسبت اللہ کی طرف اور شر کی نسبت مخلوقات کی طرف کی گئی ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اُن شُرور سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ اُن چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اُس نے پیدا کی ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو شر کے لیے پیدا نہیں کیا ہے، بلکہ اُس کا ہر کام خیر اور کسی مَصْلَحَت ہی کے لیے ہوتا ہے، البتہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اُس نے اس لیے پیدا کیے ہیں کہ اُن کی تخلیق کی مَصْلَحَت پوری ہو، اُن سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے۔

دوم، یہ کہ اگر صرف اِسی ایک فقرے پر اکتفا کیا جاتا اور بعد کے فقروں میں خاص خاص قسم کی مخلوقات کے شرور سے الگ الگ خدا کی پناہ مانگنے کا نہ بھی ذکر کیا جاتا تو یہ فقرہ مُدّعا پورا کرنے کے لیے کافی تھا، کیونکہ اس میں ساری ہی مخلوقات کے شر سے خدا کی پناہ مانگ لی گئی ہے۔ اِس عام اِستعاذے کے بعد چند مخصوص شُرور سے پناہ مانگنے کا ذکر خود بخود یہ معنیٰ دیتا ہے کہ ویسے تو مَیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہر مخلوق کے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں، لیکن خاص طور پر وہ چند شرور جن کا ذکر سورۂ فَلَق کی باقی آیات اور سورۂ ناس میں کیا گیا ہے، ایسے ہیں جن سے خدا کی اَمان پانے کا مَیں بہت محتاج ہوں۔

سوم، یہ کہ مخلوقات کے شر سے پناہ حاصل کرنے کے لیے موزوں ترین اور مؤثّر ترین اِستعاذہ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو

QuranUrdu.com

وہ یہ ہے کہ اُن کے خالق کی پناہ مانگی جائے، کیونکہ وہ بہر حال اپنی مخلوق پر غالب ہے، اور اُن کے ایسے شُرور کو بھی جانتا ہے جنھیں ہم جانتے ہیں، اور ایسے شُرور سے بھی واقف ہے جنھیں ہم نہیں جانتے۔ لہٰذا اُس کی پناہ گویا اُس حاکمِ اعلیٰ کی پناہ ہے جس کے مقابلے کی طاقت کسی مخلوق میں نہیں ہے، اور اس کی پناہ مانگ کر ہم ہر مخلوق کے ہر شر سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں، خواہ وہ ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو۔ نیز اس میں دنیا ہی کے نہیں، آخرت کے بھی ہر شر سے اِستِعاذہ شامل ہے۔

چہارم، یہ کہ شر کا لفظ نقصان، ضرر، تکلیف اور اَلَم کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اور اُن اسباب کے لیے بھی جو نقصان و ضرر اور تکلیف و اَلَم کے موجب ہوتے ہیں۔ مثلاً بیماری، بھوک، کسی حادثے یا جنگ میں زخمی ہونا، آگ سے جل جانا، سانپ بچھو وغیرہ سے ڈسا جانا، اولاد کی موت کے غم میں مبتلا ہونا، اور ایسے ہی دوسرے شُرور پہلے معنیٰ میں شر ہیں، کیونکہ یہ بجائے خود تکلیف اور اذیّت ہیں۔ بخلاف اس کے، مثال کے طور پر کفر، شرک، اور ہر قسم کے گناہ اور ظلم دوسرے معنیٰ میں شر ہیں، کیونکہ ان کا انجام نقصان اور ضرر ہے، اگرچہ بظاہر ان سے فی الوقت کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو، بلکہ بعض گناہوں سے لذت ملتی یا نفع حاصل ہوتا ہو۔ پس شر سے پناہ مانگنا اِن دونوں مفہومات کا جامع ہے۔

پنجم، یہ کہ شر سے پناہ مانگنے میں دو مفہوم اور بھی شامل ہیں: ایک یہ کہ جو شر واقع ہو چکا ہے، بندہ اپنے خدا سے دعا مانگ رہا ہے کہ وہ اسے دفع کر دے۔ دوسرے یہ کہ جو شر واقع نہیں ہوا ہے، بندہ یہ دعا مانگ رہا ہے کہ خدا مجھے اُس شر سے محفوظ رکھے۔

۵ – مخلوقات کے شر سے عُموماً خدا کی پناہ مانگنے کے بعد اب بعض خاص مخلوقات کے شر سے خُصوصیّت کے ساتھ پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ آیت میں غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ غاسق کے لُغوی معنیٰ تاریک کے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ایک جگہ ارشاد ہُوا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ، ”نماز قائم کرو زوالِ آفتاب کے وقت سے رات کے اندھیرے تک۔“ (بنی اسرائیل: ۷۸) اور وَقَبَ کے معنیٰ داخل ہونے یا چھا جانے کے ہیں۔ رات کی تاریکی کے شر سے خاص طور پر اس لیے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے کہ اکثر جرائم اور مظالم رات ہی کے وقت ہوتے ہیں۔ موذی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں۔ اور عرب میں طوائف المُلُوکی کا جو حال ان آیات کے نُزول کے وقت تھا، اس میں تو رات بڑی خوفناک چیز تھی، اس کے اندھیرے میں چھاپا مار نکلتے تھے اور بستیوں پر غارت گری کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے تھے، وہ بھی رات ہی کے وقت آپؐ کو قتل کر دینے کی تجویزیں سوچا کرتے تھے تاکہ قاتل کا پتا نہ چل سکے۔ اس لیے اُن تمام شرور و آفات سے خدا کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا جو رات کے وقت نازل ہوتی ہیں۔ یہاں اندھیری رات کے شر سے طلوعِ فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے، وہ کسی صاحبِ نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک اِشکال یہ پیش آتا ہے کہ متعدِّد صحیح احادیث میں حضرت عائشہؓ کی یہ روایت آئی ہے کہ رات کو چاند نکلا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر اُس کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ

QuranUrdu.com

اللہ کی پناہ مانگو، ھٰذا الغاسق اذا وقب، یعنی یہ الغاسق اذا وقب ہے۔ (احمد، ترمِذِی، نَسائی، ابنِ جَرِیر، ابن المُنذِر، حاکم، ابنِ مَردُوْیَہ) اس کی تاویل میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اِذَا وَقَبَ کا مطلب یہاں اِذَا خَسَفَ ہے، یعنی جب کہ وہ گہنا جائے یا چاند گرہن اس کو ڈھانک لے۔ لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں آیا ہے کہ جس وقت حضورؐ نے چاند کی طرف اشارہ کر کے یہ بات فرمائی تھی اُس وقت وہ گرہن میں تھا۔ اور لغتِ عرب میں بھی اِذَا وَقَبَ کے معنٰی اِذَا خَسَفَ کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ ہمارے نزدیک اِس حدیث کی صحیح تاویل یہ ہے کہ چاند نکلنے کا وقت چونکہ رات ہی کو ہوتا ہے، دن کو اگر چاند آسمان پر ہوتا بھی ہے تو روشن نہیں ہوتا، اس لیے حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے (یعنی چاند کے) آنے کے وقت یعنی رات سے خدا کی پناہ مانگو، کیونکہ چاند کی روشنی مدافعت کرنے والے کے لیے اُتنی مددگار نہیں ہوتی جتنی حملہ کرنے والے کے لیے ہوتی ہے، اور جرم کا شکار ہونے والے کے لیے اُتنی مددگار نہیں ہوتی جتنی مجرم کے لیے ہوا کرتی ہے۔ اسی بنا پر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِنَّ الشَّمْسَ اِذَا غَرَبَتْ انتشرت الشیاطین، فاکفتوا صبیانکم واحبسوا مواشیکم حتی تذھب فحمۃ العشاء، ''جب سورج غروب ہو جائے تو شیاطین ہر طرف پھیل جاتے ہیں، لہٰذا اپنے بچوں کو گھروں میں سمیٹ لو اور اپنے جانوروں کو باندھ رکھو، جب تک رات کی تاریکی ختم نہ ہو جائے۔''

۶ – اصل الفاظ ہیں: نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ۔ عُقَد جمع ہے عُقدہ کی، جس کے معنٰی گِرہ کے ہیں، جیسی مثلاً تاگے یا رسّی میں ڈالی جاتی ہے۔ نَفْث کے معنٰی پھونکنے کے ہیں۔ نَفّٰثٰت جمع ہے نَفّاثَہ کی، جس کو اگر علّامہ کی طرح سمجھا جائے تو مراد بہت پھُونکنے والے مرد ہوں گے، اور اگر اسے مؤنث کا صیغہ سمجھا جائے تو مراد بہت پھُونکنے والی عورتیں بھی ہو سکتی ہیں، اور نُفوس یا جماعتیں بھی، کیونکہ عربی میں نفس اور جماعت دونوں مؤنث ہیں۔ گِرہ میں پھونکنے کا لفظ اکثر، بلکہ تمام تر مفسّرین کے نزدیک جادو کے لیے استعارہ ہے، کیونکہ جادوگر عُموماً کسی ڈور یا تاگے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جاتے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں طُلوعِ فجر کے رب کی پناہ مانگتا ہوں جادوگروں یا جادوگرنیوں کے شر سے۔ اِس مفہوم کی تائید وہ روایات بھی کرتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جادو ہوا تھا تو جبریل علیہ السلام نے آ کر حضورؐ کو مُعوِّذَتَین پڑھنے کی ہدایت کی تھی، اور مُعوِّذَتَین میں یہی ایک فقرہ ہے جو براہِ راست جادو سے تعلق رکھتا ہے۔ ابو مسلم اصفہانی اور زَمَخشَری نے نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس سے مراد عورتوں کی مکّاری، اور مردوں کے عزائم اور آرا اور خیالات پر اُن کی اثر اندازی ہے اور اس کو جادوگری سے تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ عورتوں کی محبّت میں مبتلا ہو کر آدمی کا وہ حال ہو جاتا ہے گویا اُس پر جادو کر دیا گیا ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ پُرلطف ہے، لیکن اُس تفسیر کے خلاف ہے جو سَلَف سے مُسَلَّم چلی آتی ہے، اور اُن حالات سے بھی یہ مطابقت نہیں رکھتی جن میں مُعوِّذَتَین نازل ہوئی ہیں، جیسا کہ ہم دیباچے میں بیان کر چکے ہیں۔

جادو کے متعلق یہ جان لینا چاہیے کہ اس میں چونکہ دوسرے شخص پر بُرا اثر ڈالنے کے لیے شیاطین یا ارواحِ خبیثہ

QuranUrdu.com

یا ستاروں کی مدد مانگی جاتی ہے، اس لیے قرآن میں اسے کفر کہا گیا ہے: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ، ''سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ شیاطین نے کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔'' (البقرہ: ۱۰۲) لیکن اگر اُس میں کوئی کلمۂ کفر یا کوئی فعلِ شرک نہ بھی ہو تو وہ بالاتفاق حرام ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے سات ایسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کی آخرت کو برباد کر دینے والے ہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: سات غارت گر چیزوں سے پرہیز کرو۔ لوگوں نے پوچھا: وہ کیا ہیں یا رسولؐ اللہ؟ فرمایا: خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو، کسی ایسی جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سُود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جہاد میں دشمن کے مقابلے سے پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلنا، اور بھولی بھالی عَفیف مومن عورتوں پر زنا کی تُہمت لگانا۔

۷ - حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہو، اس پر کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اُس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے، یا کم از کم یہ کہ اُس سے ضرور چھن جائے۔ البتہ حسد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے وہ مجھے بھی مل جائے۔ یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اُس حالت میں مانگی گئی ہے جب کہ وہ حسد کرے، یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے قول یا عمل سے کوئی اقدام کرے۔ کیونکہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا، اُس وقت تک اُس کا جلنا بجائے خود چاہے بُرا سہی، مگر محسود کے لیے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ پھر جب ایسا شر کسی حاسد سے ظاہر ہو تو اُس سے بچنے کے لیے اوّلین تدبیر یہ ہے کہ اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ اس کے ساتھ حاسد کے شر سے امان پانے کے لیے چند چیزیں اور بھی مددگار ہوتی ہیں۔ ایک، یہ کہ انسان اللہ پر بھروسا کرے اور یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے، کوئی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دوسرے، یہ کہ حاسد کی باتوں پر صبر کرے، بے صبر ہو کر ایسی باتیں یا کارروائیاں نہ کرنے لگے جن سے وہ خود بھی اَخلاقی طور پر حاسد ہی کی سطح پر آ جائے۔ تیسرے، یہ کہ حاسد خواہ خدا سے بے خوف اور خلق سے بے شرم ہو کر کیسی ہی بیہودہ حرکتیں کرتا رہے، محسود بہر حال تقویٰ پر قائم رہے۔ چوتھے، یہ کہ اپنے دل کو اُس کی فکر سے بالکل فارغ کر لے اور اُس کو اِس طرح نظر انداز کر دے کہ گویا وہ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اُس کی فکر میں پڑنا حاسد سے مغلوب ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پانچویں، یہ کہ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنا تو درکنار، جب کبھی ایسا موقع آئے کہ محسود اس کے ساتھ بھلائی اور احسان کا برتاؤ کر سکتا ہو تو ضرور ایسا ہی کرے، قطعِ نظر اِس سے کہ حاسد کے دل کی جلن محسود کے اِس نیک رَوِیّے سے مٹتی ہے یا نہیں۔ چھٹے، یہ کہ محسود توحید کے عقیدے کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پر ثابت قدم رہے، کیونکہ جس دل میں توحید بسی ہوئی ہو، اُس میں خدا کے خوف کے ساتھ کسی اور کا خوف جگہ ہی نہیں پا سکتا۔